قانونِ دیت کی قابلِ غور تفصیلات

مولانا خلیل احمد حامدی صاحب

دیت کا قانون ناواقفیت کی وجہ سے بعض حلقوں میں تشویش کا موجب بن گیا ہے یہ قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی واضح نصوص پر مبنی ہے۔ اسلام نے انسانی جان کو بڑا محترم قرار دیا ہے۔ اس جان کا ضیاع کوئی دانستہ کرے یا نادانستہ، شریعتِ الٰہی اس پر شدید گرفت کرتی ہے۔ انسان کا قتل اپنے پیچھے سینکڑوں مصائب و مسائل پیدا کر جاتا ہے۔ مقتول کے والدین خدمت گار سے محروم ہو جاتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات تک تکلیف و غم کی تاریکیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اولاد وارث سے محروم ہو جاتی ہے اور ان کا مستقبل (خاص طور پر پاکستان جیسے ملک میں) تباہ ہو جاتا ہے۔ حادثات کی وجہ سے خاندان اپنے اچھے کمانے والوں سے تہی دست ہو گئے۔ بچے یتیم، عورتیں بیوہ، بہنیں بے سہارا اور والدین غمزدہ و آفت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شریعتِ الٰہی جو انسانوں کو عدل و انصاف، رحمدلی و ایثار اور محبت و اخوت کا درس دیتی ہے، کیا انسانی جان کو رائیگاں جانے دے گی؟ ایک طرف شریعت نے انسانی جان کے تحفظ کا اہتمام فرمایا ہے اور دوسری طرف اس کے بالارادہ یا بلا ارادہ ضیاع پر بھی اس کے وارثوں کی مواسات اور دلجوئی کی ہے۔ جہاں تک کسی انسانی جان کو قصداً ضائع کرنے کا تعلق ہے تو اللہ کی شریعت اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے قصاص کا حکم دیا ہے۔ یعنی قاتل سے قتل کا بدلہ، قتل کی شکل میں لیا جائے۔ اِلّا یہ کہ وارث خود قاتل کو معاف کر دیں

یا اس کے عوض دیت وصول کر لیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص کے قانون کے بارے میں فرمایا ہے کہ " اس میں تمہارے لیے (اے خدا اور رسول کے ماننے والو) زندگی ہے ۔"

جو جان کسی غلطی اور غیر ارادی فعل کے نتیجے میں ضائع ہوتی ہے ، شریعت نے اس کا حل بھی پیدا فرما دیا ہے ۔ اور اس کی صورت یہ مقرر فرمائی ہے کہ قتل خطاء کا ارتکاب کرنے والا مقتول کے وارثوں کو مال کی شکل میں دیت ادا کرے ۔ تو کیا ایک انسانی جان کے بدلے میں (جس کی واپسی ناممکن ہے اور جو اپنے پیچھے ہزاروں مصیبتیں چھوڑ گئی ہے) قاتل کے لیے مالی طور پر کچھ بوجھ برداشت کر لینا بھی گوارا نہیں ہے ؟ یہ مالی معاوضہ جان کی قیمت نہیں ہے اور نہ کوئی معاوضہ جان کی قیمت بن سکتا ہے ۔ یہ تو صرف اُس نقصان کی معمولی سی تلافی ہے جو مقتول کے وارثوں کو لاحق ہو گیا ہے ۔ قتلِ خطاء کے بارے میں ہمیں اسلام کے اندر جو تفصیلات ملتی ہیں ان کی روشنی میں ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے اس مسئلے کو ہر فریق کے لیے انتہائی باعثِ رحمت بنا دیا ہے ۔

شریعت میں خطاء کا پیمانہ یہ ہے کہ بے احتیاطی برتی گئی ہو جس کے نتیجے میں انسانی جان ضائع ہو گئی ہے ۔ "بے احتیاطی" (عدم التحرز) میں غفلت ، خود سری ، افراط و تفریط ، غور سے نہ دیکھنا ، بے نیازی برتنا ، شرعی احکام کا لحاظ نہ کرنا ، سرکاری قواعد و ضوابط اور ہدایات کو پس پشت ڈال دینا ، یہ سب باتیں آ جاتی ہیں اور بے احتیاطی کے نتیجے میں ضائع ہونے والی جان قتل خطا سمجھی جائے گی اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس کا ذمہ دار ہو گا ۔ فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ عدالت "بے احتیاطی" کی تحقیق کرے گی اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں مقتول کے ورثاء کا دعوائے دیت ساقط ہو جائے گا ۔

دیت کے بارے میں شریعت نے واضح کر دیا ہے کہ :

"كل دية وجبت بنفس القتل الخطاء اوشبه

العمد تتحمله العاقلة۔

۱۱ر وہ دیت جو قتلِ خطا یا شبہ قتل کے بدلے میں لازم ہوگی اسے "عاقلہ" پر ڈالا جائے گا)۔

عاقلہ سے مراد انسان کا قبیلہ اور برادری ہے ۔ دیت خطاء میں عاقلہ بھی ذمہ دار ہے ۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو تین مقدمات میں قتلِ خطاء کی دیت عاقلہ پر عاید کی تھی ۔ اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ بطورِ خطاء انسان سے بکثرت واقعات ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ مقتول انسان کی دیت بہت ہے (سو اونٹ) اس لیے جانی (مرتکب خطاء) پر پورا مالی بوجھ ڈال دینا زیادتی ہوگی ۔ چنانچہ شریعتِ الٰہی نے یہ حکیمانہ طریقہ اختیار کیا کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کے جملہ اہلِ قبیلہ کو بھی اس بوجھ میں شریک کر دیا ۔

"عاقلہ" کو مقتول کی دیت میں کتنی مقدار میں شریک کیا جائے گا؟ اس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ مقدار عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے یعنی عدالت قاتل اور اس کے قبیلے کے حالات دیکھ کر یہ فیصلہ کرے گی کہ قاتل خود کس حد تک دیت ادا کرے اور اس کا قبیلہ کس حد تک ۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو فقہائے اسلام کے اندر قبولیت حاصل ہوئی ہے ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اوّل سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور تک تو عاقلہ کا وہی تصور تھا جو اُوپر بیان کیا گیا ہے یعنی قاتل کے قریبی رشتہ دار اور اہلِ قبیلہ (ان کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی ریاست کو بڑی وسعت حاصل ہوئی، قبائل بھی منتشر ہو گئے اور دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کا نظام بھی وسیع ہو گیا ۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے عاقلہ کے بجائے "اہلِ دیوان" کا نظام جاری کر دیا ۔ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ پہلے دیت قبائل پر ڈالی جاتی تھی، مگر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے "دواوین" کا سسٹم جاری کیا تو دیت بھی اہلِ دیوان پر ڈال دی اور تمام صحابہؓ نے اسے قبول کر لیا ۔ دیوان سے

مراد سرکاری محکموں اور فوجوں اور محصولات وصول کرنے والوں کا وہ نظام ہے جس کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرکاری واجبات وصول کرتے اور سرکاری کارندوں کے وظائف جاری کرتے اور بیت المال سے دیئے جاتے والے عطیات تقسیم کرتے۔ ہر طبقے کی الگ الگ فہرستیں وضع کی گئیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو باہم رشتہ دار تھے، اور وہ بھی جو ہم پیشہ تھے۔ اس نظام کے بعد قاتل پر عاید ہونے والی دیت بھی اہلِ دیوان پر انصاف کے مطابق تقسیم کر دی جاتی تھی جسے لوگ خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔

فقہاء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگر قاتل کا کوئی قبیلہ یا دیوان نہ ہو، جیسے بے نسب شخص یا وہ شخص جو دار الحرب سے تعلق رکھتا ہے یا وہ ذمی جو مسلمان ہو گیا ہے اور اب اس کا تعلق اپنے قبیلے سے ختم ہو گیا ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کی دیت سرکاری خزانے پر ہو گی۔

عاقلہ ہو یا دیوان یا سرکاری بیت المال یہ ادارے قاتل کی پوری دیت کے حقدار نہ ہوں گے بلکہ ایک حصہ کے اندر شریک ہوں گے۔ بعض فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ ایک تہائی دیت قاتل پر اور دو تہائی دیت عاقلہ پر ڈالی جا سکتی ہے۔ حنفیہ کے نامور فقیہ کاسانی نے لکھا ہے کہ "اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ دیت خطا یک بارگی نہیں، بلکہ تین سالوں کے اندر ادا کی جائے گی"۔ کاسانی نے یہ رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے اخذ کی ہے۔ اگر قاتل اہلِ دیوان میں سے ہو گا تو دیت تین عطیات میں سے لی جائے گی اور یہ تین سال میں مکمل ہو گی، کیوں کہ اس دور میں عطیات کا اجرا سالانہ ہوتا تھا۔ اگر یہ تین عطیات ایک ہی سال میں وصول ہو گئے تو پھر ایک ہی سال کے اندر دیت وصول کی جائے گی"۔ موجودہ دور میں عطیات یا تنخواہیں سالانہ کے بجائے ماہانہ ہوتی ہیں لہٰذا عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیت کی کتنی قسطیں مقرر کرتی ہے۔

اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظامِ دیوان کو سامنے رکھیں تو آج کے دور

میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈرائیور کا عاقلہ یا دیوان دو طرح کے ادارے ہو سکتے ہیں۔ ایک ڈرائیوروں کی اپنی یونین جس میں ڈرائیور ماہانہ فنڈ جمع کراتے ہیں اور دوسرا ٹرانسپورٹ کے مالکان کی ایسوسی ایشن یا خود مالک۔ اسی طرح اگر سڑک خراب ہو تو اس میں حالات اور واقعات کی روشنی میں سڑکوں کے محکمے کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ڈرائیور کی احتیاط کے باوجود صرف سڑک کی توڑ پھوڑ اور خستگی کی وجہ سے حادثہ پیش آیا ہے۔

بہر حال قصاص و دیت کا قانون قرآن و حدیث کا قانون ہے۔ اس قانون کی تضحیک گویا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جو حضرات خدا پہ ایمان اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان اور ان سے محبت رکھتے ہیں، وہ اس تضحیک میں شامل نہیں ہوں گے۔ آج یہ قانون سخت نظر آرہا ہے، مگر دنیا میں بھی اس کی برکات ان شاء اللہ ظاہر ہوں گی۔ اور آخرت میں بھی قتلِ انسانی کے جرم کی وجہ سے ملنے والی سزا سے بھی نجات ہو گی۔

(بقیہ دینی جدوجہد کا اصل محور)

ان کے دنیوی اور اخروی انجام کی عبرت ناکیوں سے متنبہ کرتے ہوئے توحید کی حقیقت اور اس کے ایک ایک تقاضے کو آشکار کیا جائے۔ گویا اللہ کے بندوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف ترغیب دلاتے ہوئے ایمان کی دعوت کا غلغلہ بلند ہونا چاہیے۔ ان برائیوں کے خلاف نبرد آزمائی نہ کرتے ہوئے اسلامی حکومت اور اسلامی عدالتوں کے قیام اور قرار کی باتیں محض خوش خیالی ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ یہ سب کچھ جان کر بھی دین کے بہت سے ہمدرد اور مخلص اسلامی انقلاب کے اس سیدھے اور بالراست طریقے کو اختیار کرتے سے پس و پیش کرتے ہیں۔ (باقی)